اسلامی تمدّن

(۲)

مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

الناس کلھم بنو آدم وآدم من تراب۔ [۱] — سب (انسان) اولادِ آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مخلوق،

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ — اللہ کا کنبہ ہے بس اللہ کے نزدیک مخلوق میں زیادہ محبوب

من احسن الی عیالہ۔ [۲] — وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے

قرآنِ عزیز کی آیت اور احادیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں صاف صاف یہ اعلان کرتی ہیں کہ "انسان" اپنی "انسانیت" کے لحاظ سے نہ نیچ ہے نہ اونچ اور خدا نے ان سب کو انسانیت میں برابر بنایا ہے لہٰذا پیدائش اور خلقت کے اعتبار سے یا نسب و نسل کے لحاظ سے ان کے درمیان درجات قائم کرنا خدائے تعالیٰ کی فطرت کے خلاف بغاوت ہے اور اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بغاوت کو مٹا کر انسانیت کو اس لعنت سے پاک کرے۔

چنانچہ اسلام کے معاشرتی مسائل میں اس مسئلہ کا اثر پڑتا ہے کہ اس کی نگاہ میں کافر ہو یا مشرک یا مومن و مسلم، کھانے پینے، لینے دینے اور رہنے سہنے کے معاملات میں سب مساوی ہیں اور کوئی "اچھوت"

[۱] مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد۔ [۲] مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق بحوالہ شعب الایمان بیہقی۔

نہیں ہے[۱] اور نہ وہ اس معاملہ میں حلال خور اور برہمن کے درمیان کوئی تمیز کرتا ہے۔

اگر کسی ناپاک شے سے اس نے احتیاط اور بچاؤ کا حکم دیا ہے تو وہ مسلم اور غیر مسلم، اعلیٰ ذات اور ادنیٰ ذات سب کے لئے اور سب کے ہاتھ میں ناپاک اور نجس ہی رہے گی اور اگر کوئی شے پاک اور طاہر ہے تو وہ جس طرح ایک برہمن کے ہاتھ لگ جانے سے ناپاک نہیں ہوتی اسی طرح شودر اور اس شخص کے ہاتھ سے بھی ناپاک نہیں ہو جاتی جس کو چمار، بھنگی، دہیڑ، پاسی کہا جاتا ہے اور جو ہندو معاشرت کے لحاظ سے شودر یا "اچھوت" سمجھا جاتا ہے۔

(۲) اسلامی معاشرت کا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی انسان کی برتری یا کہتری، حسب ونسب یا پیشہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے بلکہ اعمال سے متعلق ہے۔ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ انسانوں کے باہمی تعارف اور باہمی رشتوں کے تعلق کی بنا پر وہ چھوٹے چھوٹے کنبے بڑے بڑے خاندانوں اور اس سے بھی زیادہ وسیع برادریوں میں منقسم ہیں مثلاً عرب اور عربی النسل اقوام میں قریشی ہیں اور غیر قریشی۔ اور قریش میں ہاشمی، عباسی، علوی صدیقی، فاروقی، عثمانی، زبیری وغیرہ بطون (خاندان) ہیں اور عجم اور عجمی النسل اقوام ہیں، برہمن، کھتری ویش اور بالعض خاندان نسلاً بعد نسلٍ کسی خاص پیشہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے اپنے پیشہ کی جانب منسوب ہیں۔

پس اسلام اس حد تک اس امتیاز کو مانتا ہے کہ خدا کی اس اربوں مخلوقِ انسانی میں قبائل بطون اور شعوب (برادریوں، خاندانوں اور کنبوں) میں منقسم ہونا اپنے اجداد کے ساتھ انتساب اور باہمی تعارف کے لئے مفید ہے لیکن وہ اس کو ہرگز قبول نہیں کرتا کہ اس امتیاز کا حاصل یہ ہے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ یا ایک خاندان دوسرے خاندان، یا ایک برادری دوسری برادری کو حقیر اور ذلیل (نیچ) قرار دے اور خود کو بلند و بالا سمجھے۔ کیونکہ اسلام میں "فخر بالانساب" کو ملعون قرار دیا گیا ہے اور حجۃ الوداع کے

---

[۱] کھانے پینے میں جن چیزوں کو اسلام نے حرام بتایا ہے یا نجس کہا ہے ان سے محفوظ رہنے کے لئے فقہ میں جس قسم کی احتیاط ان معاملات میں فقہ کے اندر موجود ہے وہ ایک الگ بات ہے۔

موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان کردیا تھا کہ آج سے میں اس "نبی فخر" کو مٹاتا ہوں اور آئندہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس "جاہلیت کے دعوی" کو دوبارہ زندہ کرے[1] چنانچہ قرآن عزیز میں بہت واضح اور صاف الفاظ میں یہ ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ	اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت
ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا	سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے کردیا ہے
وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ	تاکہ تم آپس میں تعارف پیدا کرو، بلاشبہ تم میں سے اللہ کے
اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ	نزدیک بڑا بلند اور برگزیدہ وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ خدا کا پرہیزگار بندہ ہے
اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ	بے شبہ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبردار ہے۔

یعنی بلندی اور برتری نسب اور ذات پات سے نصیب نہیں ہوتی بلکہ اعمال کی خوبی اور نیکی سے حاصل ہوتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اصولِ دین کے متعلق جو اہم خطبہ دیا تھا اس میں عقائدِ جاہلیت کے خلاف آیت مسطورہ بالا کی تفسیر فرماتے ہوئے نہایت صاف اور پرشوکت الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا۔

فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی	لہٰذا نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ
علی عربی فضل ولا لاسود علی	کسی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر
ابیض فضل ولا لابیض علی اسود	پر برتری حاصل ہے اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر

---

[1] اس جگہ یہ واضح رہے کہ تفاضلِ انساب اور تفاخرِ انساب میں فرق ہے، تفاضل کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہے تو مسلمان اس کی بزرگانہ نسبت کی بنا پر اس کو دوسرے قبائل کے مقابلہ میں عزت وفضیلت دیتے ہیں۔ یہ درست ہے۔ اور تفاخر یہ ہے کہ مثلاً خاندانِ نبی کا کوئی فرد (سید) دوسروں کو حقیر سمجھے اور ان کے مقابلہ میں اپنے نسبی فخر کا ادعا کرے یا کسی جائز پیشہ اور صنعت کو اختیار کر لینے کی وجہ سے کسی برادری یا خاندان کو ذلیل اور حقیر سمجھا جائے یہ حرام اور باطل ہے۔

فضلٌ الا بالتقویٰ (الحدیث)[1] مگر یہ کہ تقویٰ ہی برتری کا سبب بن سکتا ہے۔

حدیث میں "فضل فضیلت" سے مراد ہے کہ صرف نسب نہ کسی کو برتر بناتا ہے اور نہ کسی کو کمتر برتری اور کمتری کا معیار صرف تقویٰ اور طہارت اور اعمال کی خوبیوں پر موقوف ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب اولادِ
کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب و	آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور چاہئے
لینتھین قوم یفخرون بآباءھم	کہ قومیں اپنے آباء و اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ
اولیکونن اھون علی اللہ من	تو وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کیڑے سے بھی زیادہ
الجعلان۔[2]	بے وقعت ہو جائیں گی۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نسبوں کو
من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم[3]	اس قدر جاننا چاہئے کہ جس سے آپس میں صلہ رحمی کر سکو

اور جس طرح "نسب" فخر و کبر کے لئے نہیں ہے بلکہ باہمی تعارف اور آپس میں صلہ رحمی کرنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ہے اسی طرح پیشہ سے نہ "نسب" میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور نہ جائز و پاک شے موجب "اہانت و تذلیل" ہو سکتے ہیں، پیشہ، پیشہ ہے نسب نہیں ہے یہ بات تو ظاہر ہے اور کسی دلیل کی محتاج نہیں کیونکہ ایک شخص اگر مثلاً صدیق اکبرؓ کی نسل سے ہے لیکن اپنی معاش کے لئے اس نے "درزی" کا پیشہ اختیار کر لیا ہے تو اگر پشتہا پشت تک بھی اس کے گھرانے میں یہ صنعت و حرفت جاری رہے تو اس کا یہ پیشہ اس کا نسب نہیں بن سکتا۔

چنانچہ صحیح احادیث میں موجود ہے کہ زکریا (علیہ السلام) نجاری کا، حضرت ادریس (علیہ السلام) جامہ دوزی اور پارچہ بافی کا، حضرت سلیمان علیہ السلام ٹوکریاں بنانے کا حضرت داؤد علیہ السلام زرہ سازی کا

---

[1] معجم طبرانی کبیر۔ [2] مسند بزار۔ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

اور اس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) مختلف پیشے اور صنعت وحرفت سے معاش پیدا کرتے تھے البتہ اگر کسی شخص نے کسی ایسے عمل کو اپنی معاش کے لئے پیشہ بنا لیا ہے جس کو زبان وحی ترجمان (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیشہ بنانا مکروہ اور ارذل قرار دیا ہو وہ شخص ضرور اس پیشہ کی وجہ سے محقر سمجھا جائیگا لیکن اس کی اولاد اگر اس پیشہ کو ترک کر کے دوسرے محمود مشاغل سے معاش پیدا کرتی ہے تو شخص مذکور کے محقر پیشہ کی وجہ سے اس کا خاندان یا اس کی نسل قابلِ تحقیر وتذلیل نہیں ہو سکتی۔

ایک شبہ کا جواب | ممکن ہے کہ اس مقام پر مسئلہ "کفو" کو پیش کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ "فقہ" میں "باب کفو" میں جو مسائل متعلقہ نکاح وطلاق بیان کئے گئے ہیں ان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں نسب کی برتری اور کہتری معتبر ہے تو اس کے جواب سے قبل یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جبکہ قرآن عزیز اور صحیح احادیث رسول میں بصراحت یہ مذکور ہے کہ "نسب" صرف باہمی تعارف کے لئے ہے نہ کہ دوسروں کے مقابلہ میں برتری اور تفوق کے اظہار کے لئے تو یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ "فقہ اسلامی" میں "کفو سے متعلق" جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ کسی حالت میں بھی قرآن وحدیث کے بیان کردہ اصول دربارۂ نسب سے متصادم نہیں ہو سکتے اور یقیناً ان کا مطلب وہی صحیح ہو سکتا ہے جو ان اصولِ اسلامی کی میزان میں پورا اتر سکے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کے احکام اصول ہیں اور فقہی مسائل ان ہی سے مستنبط اور "فروعی مسائل" ہیں۔

اس کے بعد شبہ کا جواب یہ ہے کہ مسطورہ بالا آیت اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں فقہاء اسلام میں سے ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ مسئلہ نکاح میں کفو کا مطلق کوئی امتیاز نہیں ہے اور ازدواجی رشتہ کے سلسلہ میں مذہبی نقطۂ نگاہ سے صرف "دینی صلاحیت" قابلِ لحاظ ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ مسئلہ کفائت کو تسلیم نہیں کرتے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کو ایک حد تک تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی لئے حافظ عماد الدین بن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد استدل بھذہ الآیۃ الکریمۃ اور اس آیت کریمہ اور ان احادیث شریفہ کی روشنی

وھذہ الاحادیث الشریفۃ من ذھب من ہی ہیں ان علماء نے جو کفاءۃ کو نہیں مانتے یہ فیصلہ
العلماء الی ان الکفاءۃ فی النکاح لا یشترط کیا ہے کہ نکاح میں کفاءت ہرگز شرط نہیں ہے اور
ولا یشترط سوی الدین۔ دین کے سوا کوئی دوسری شرط نہیں ہے۔

حنفی فقہ میں بھی یہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے بلکہ اختلافی ہے اور تسلیم کفاءت کے باوجود اس کی حیثیت صرف معاشرتی ہے مذہبی یا دینی نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان شعوب وقبائل کی تفریق باہمی تعارف اور صلہ رحمی کے لئے قائم کی ہے۔ اسی بنا پر یہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ بعض خاندان اپنے خارجی ماحول اور مخصوص طریق زندگی کے لحاظ سے بعض دوسرے خاندانوں سے ممتاز نظر آتے ہیں اور اس کا اثر زندگی کے معاملات پر اس قدر پڑ چکا ہے کہ ان خاندانوں میں علمی اور مدنی اثرات کے کافی سرایت کر جانے کے باوجود ان کے معاشرتی معاملات اول الذکر خاندانوں کے مقابلہ میں ادون اور کمتر نظر آتے ہیں۔ یہ پھر ایک مرتبہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ امتیاز مذہب کے کسی قانون یا مذہبی احکام کے کسی حکم کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف زمانے کے خارجی اثرات اور ماحول کے تاثرات کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے تو ان حالات میں ایسے دو مختلف المعاشرت خاندانوں کے درمیان اگر رشتہ مناکحت قائم کیا جاتا ہے تو عموماً ناخوشگوار حالات پیدا ہو کر ان میں اکثر و بیشتر تفریق زوجین پر معاملہ ختم ہوتا ہے۔

لہٰذا انسانوں کے فطری رجحانات کا لحاظ رکھ کر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان حالات میں ایسے دو مختلف المعاشرت خاندانوں کے درمیان ازدواجی رشتہ کے قیام میں دونوں قسم کے حقوق کی رعایت ملحوظِ خاطر رہنی چاہئے ایک خود زن وشوہر کے درمیان "رضا و قبول" کا حق اور دوسرا ان اولیاء کا حق کہ جنھوں نے ان دونوں کی تربیت کی ہے اور ان کی پرورش میں حق ربوبیت ادا کیا ہے یا سلسلۂ نسب میں ان کو یہ حق منجانب شریعت حاصل ہے۔

پس عام حالات میں اگرچہ اسلام کا قانونِ ازدواج یہ فیصلہ دیتا ہے کہ اگر بالغ مرد و عورت باہم ازدواجی رشتہ کو منظور کرتے ہیں تو دو گواہوں کی موجودگی میں وہ زن و شو کے تعلقات کو قائم کر سکتے ہیں اور اس میں کسی ولی کو بھی مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔

لیکن اگر یہ رشتہ زیرِ بحث دو مختلف خاندانوں کے درمیان قائم ہو رہا ہے تو فقہ حنفی یا مالکی میں اس قدر اضافہ اور ہے کہ اس رشتہ کی منظوری میں بالغ مرد و عورت اور ان کے اولیار شرعی دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ یعنی جس طرح یہ ضروری ہے کہ زن و شو بننے والے مرد و عورت کی رضامندی کے بغیر یہ رشتہ قائم نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ان مرد و عورت دونوں کے اولیار کی اجازت ہونی چاہیے اور اگر اولیار کی رضا کے بغیر ان دونوں نے شاہدوں کی موجودگی میں نکاح کر لیا ہے تو یہ اولیار قریب کی رضا پر موقوف رہے گا مثلاً اگر باپ زندہ ہے تو اس کی اجازت ضروری ہے تاکہ آئندہ چل کر معاشرتی اختلاف دو خاندانوں کے درمیان باعث جدل و منافرت نہ بن جائے۔ اب اگر ولی نے اجازت دیدی تو وہ نکاح باقی رہیگا ورنہ منسوخ ہو جائے گا۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ جن فقہارِ اسلام نے "کفارت" کا اعتبار کیا ہے ان کے فقہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ عجمیوں کے درمیان کفارت کا لحاظ نسب کے اعتبار سے نہیں بلکہ معاشرتی مساوات کے اعتبار سے رکھا جائیگا۔ یعنی کسی خاص پیشہ یا خاص طرزِ معاشرت کے افراد باہم ایک دوسرے کے "کفو" قرار پائیں گے خواہ ان کے درمیان تفاوتِ نسب ہی کیوں نہ ہو اور اس مسئلہ کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل عرب میں قبائل و شعوب کے درمیان نسب کا تحفظ بہت زیادہ ملحوظ رہتا ہے اور وہ اس میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے بخلاف اہلِ عجم کے کہ ان میں حفاظتِ نسب کا نظم اس طرح قائم نہیں رہ سکا۔

اس مسئلہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کفو کی حقیقت معاشرتی مسئلہ سے زیادہ نہیں ہے اور وہ بھی صرف مسئلہ نکاح میں بعض حالات کے اندر معتبر ہے پھر فرعی مسئلہ ہوتے ہوئے اختلافی مسئلہ ہی

نہ کہ اجماعی۔ لہٰذا وہ مساواتِ اسلامی کے اس مسئلہ پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا جو قرآن اور احادیثِ صحیح کی روشنی میں اجماعی امر ہے۔

الحاصل اسلام میں نسب کا فرق اس قسم کے درجات قائم کرنے کا سخت مخالف ہے جو منو کے قانون میں خود ایک مذہب رکھنے والے انسانوں کے درمیان اس طرح قائم ہیں کہ ایک کو دوسرے پر دینی، مذہبی، سیاسی اور معاشرتی ہر حالت میں برتری اور کہتری کا مستحق قرار دیتا ہے مثلاً دینی پیشوائی صرف برہمن نسل ہی کو حاصل ہے اور شودر اگر وید کا ودوان اور اچاریہ بن کر برہمن کی طرح پیشوائی کرنا چاہے تو نہ صرف یہ کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا بلکہ وہ مجرم قرار پائے گا کہ پیدائشی خدمت گذار ہونے کی حیثیت چھوڑ کر پیشوائی کیوں اختیار کرتا ہے اسی طرح حکومت کا حق نسب و نسل میں صرف چھتری (راجپوت) ہی کو حاصل ہے یا کاروبار صرف ویش کی نسل ہی کر سکتی ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ ان مذہبی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تمام حقوق میں ہر ایک مسلمان خواہ کسی خاندان یا برادری سے تعلق رکھتا ہے مساوی اور برابر ہے اور اگر بعض مختلف المعاشرت خاندان باہم یکدگر مسئلہ ازدواج میں بھی اس معاشرتی فرق کو دور کر کے یکسانیت پیدا کر لیں تو وہ علماءِ اسلام جن کے فقہ میں صرف اس خاص مسئلہ میں کفارہ معتبر ہے وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ اسلام اس یکسانیت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے نہ کہ اس کو کوئی جرم سمجھتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے سب سے مقدس دور یعنی زمانۂ رسالت و خلافتِ راشدہ میں خاندانوں اور اولیاءِ نکاح کی رضا و رغبت سے کفو کا لحاظ کئے بغیر ایسے سینکڑوں واقعات ملتے ہیں جو اس معاشرتی فرق کے خلاف پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن چونکہ مسطورہ بالا تشریح و تفصیل کی وجہ سے بعض فقہاء اس خاص حق کو حق العباد سمجھتے ہیں اس لئے اسلام انفرادی آزادی کے اس حق میں زبردستی مداخلت ناپسند کرتا ہے۔

مساواتِ انسانی کے بعد مساواتِ اسلامی کا یہ دوسرا قانون ہے جو اسلامی معاشرت و مدنیت

میں مذہبی اور دینی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے خلاف عمل کرنے والے اسلامی نقطۂ نگاہ سے عاصی اور گنہگار ہیں اور خلیفۂ اسلام کو یہ حق ہے کہ وہ مسلمان سوسائٹی میں بہ جبر اس مساوات کو قائم کرائے۔

اَکل وشُربْ

اسلامی تمدن میں دوسرا زیر بحث مسئلہ "اکل وشرب" کا ہے۔ اسلام نے اس کے متعلق بھی چند حدود وقیود بیان کی ہیں جو عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کو بہت زیادہ اپیل کرتی ہیں اور ان کی مراعات سے اخلاقِ فاضلہ میں رفعت وبلندی پیدا ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ اپنی تفاصیل کے لحاظ سے تین امور پر منقسم ہے۔ (۱) اشیاء کی حلت وحرمت۔ (۲) چند اصول (۳) آداب خورونوش۔

اشیار کی حلت وحرمت

عقل ونقل کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان جس قسم کی غذائیں کھاتا ہے ان کا اثر نہ صرف اس کے بدن ہی پر ہوتا اور صحت ومرض کا ضامن بنتا ہے بلکہ اس کے اخلاق اور انسانی صفات میں بھی اثرانداز ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح علمار طب اشیار خورونوش کے متعلق مفید اور مضر ہونے کا حکم کرتے ہیں اسی طرح علمارِ اخلاق وروحانیات بھی بعض غذاؤں کے متعلق یہی حکم صادر فرماتے ہیں اور جس طرح اطبار اور ڈاکٹروں کے درمیان بعض اشیار پر حکم لگانے میں اتفاق اور بعض پر اختلاف واقع ہوتا رہتا ہے اسی طرح علمارِ اخلاق کے درمیان بھی یہ اختلاف نظر آتا ہے۔

اس لئے اسلام نے جس طرح ایمانیات واعمال میں "حکم" بن کر اصلاح کا قدم اٹھایا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ ان معاملات سے متعلق ظن وتخمین کا خاتمہ کرکے وحی کے یقین وعلم کی روشنی میں فطرت سلیمہ کے مطابق تعلیم دی اسی طرح اس تمدنی مسئلہ میں بھی علمِ طب، علم طبعی، تجربہ اور علمِ اخلاق کے فیصلوں پر وحی الٰہی کے علم ویقین سے "محاکمہ" کیا اور خورونوش کی اشیار سے متعلق چند ایسے اصول بیان کردیئے جن کو معلوم کرلینے کے بعد ہر ذی عقل انسان ان کی صداقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

علماءِ اسلام نے ان اصول کے متعلق جو تصریحات کی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) جو اشیاء کہ خورونوش کے سلسلہ میں استعمال کی جاتی ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں جو صرف بدنِ انسانی کے لئے مضر اور نقصان دہ ہیں اور ان کے استعمال سے نوعِ انسانی کی صحت اور قویٰ پر بُرا اثر پڑتا ہے لہذا ان کا استعمال بھی ممنوع ہے۔

(۲) بعض اشیاء وہ ہیں جن کا استعمال انسان کے اخلاق اور اس کی نفسیاتی کیفیات وصفات اور روحانیات پر مضرت رساں اثر ڈالتا ہے اور اس لئے وہ بھی ممنوع ہیں۔

(۳) اور بعض اشیاء نوعِ انسانی کے قویٰ اور اس کی بدنی صحت پر بھی نقصان دہ اثر ڈالتی ہیں اور اس کے ملکاتِ فاضلہ اور اخلاقِ کاملہ کے لئے بھی مہلک ہیں، اس لئے وہ بھی اسلامی معاشرت سے خارج اور حرام قرار دی گئی ہیں۔

یہ واضح رہے کہ ان ہر سہ اصول میں مضرت و افادیت "نوعِ انسانی" کے لحاظ سے پیشِ نظر ہے اس لئے کہ اجتماعی قوانین میں افراد و آحاد کا نقصان و فائدہ جماعت اور نوع کے فائدہ و نقصان میں مدغم اور ضم ہو جاتا ہے اور ان کی انفرادیت، اجتماعیت ہی کا جزء ہو کر رہ جاتی ہے۔

پس جب ہم کائناتِ ہست و بود کی ان اشیاء پر نظر ڈالتے ہیں جو حضرتِ انسان کی غذا بن سکتی ہیں تو ان میں دو چیزیں خصوصیت کے ساتھ سامنے آتی ہیں گوشت اور سبزی اور ان دونوں کے علاوہ دودھ شہد مشک، عنبر اور بعض قیمتی حجریات (پتھر) اور کشتہ دھاتیں بھی ہیں جو عوام اور خواص کی ضروریات خورونوش میں کام آتی ہیں۔ ان میں سے گوشت ایسی غذا ہے جو علماءِ طب اور علماءِ اخلاق دونوں کے درمیان علیحدہ علیحدہ معرکۃ الآرا مسئلہ بنی رہی ہے اور دونوں کے یہاں موافق و مخالف رائیں ملتی ہیں۔ اور علمِ اخلاق کی اسی بحث نے ترقی کر کے مذہبی رنگ اختیار کر لیا ہے اور یہ مذہبی مباحث کی دلچسپیوں کا مرکز بن گئی ہے۔

یہ مقام اگرچہ ان مختلف افکار و آراء کی تفصیلات کا متحمل نہیں ہے جو گوشت کے انسان کی

فطری غذا ہونے نہ ہونے کے متعلق علمائے عقل ونقل کی جانب سے ضخیم جلدوں میں مدوّن ومرتب ہیں تاہم مختصر طور پر اس قدر ظاہر کردینا ضروری ہے کہ قدیم وجدید اطباء اور ڈاکٹروں میں جمہور کی متفقہ رائے یہ ہے کہ گوشت انسان کی فطری غذا ہے اور یہ کہ اپنی پیدائش اور خلقت کے اعتبار سے " انسان " ان حیوانات میں سے ہے جن کو قدرت نے کچلیاں (نوکیلے دانت) عطا کی ہیں اور یہ کچلیاں یا نوکیلے دانت پھلوں سبزیوں کے استعمال کے لئے قطعاً بیکار ہیں اور نہ دودھ خشک میوے اور مجربات ودھات کے کشتہ جات اور معجونوں کے استعمال میں ان کی کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو جس طرح ہم انسان کے علاوہ ان حیوانات ہی میں ان کچلیوں کا وجود پاتے ہیں جو اپنی فطرت وخلقت میں گوشت خور ہیں اسی طرح انسان میں بھی ان کا وجود اس کے فطری گوشت خور ہونے کی ناقابل تردید شہادت اور دلیل ہے۔

نیز خورونوش کی اشیاء میں سے جن چیزوں کے اندر خدائے تعالیٰ کی ید قدرت نے ویٹامن (Vitamines) " حیاتین یا جوہر حیات " زیادہ ودیعت کیا ہے وہی چیزیں حضرت انسان کی ترقی حیات کے لئے مفید اور مددگار تسلیم کی گئی ہیں اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر قدیم وجدید علماء طب کا اتفاق ہے اور اس بارہ میں کسی زمانہ میں بھی دو رائے نہیں پائی جاتیں۔ پس جبکہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ گوشت کے اندر " جوہر حیات " بہت زیادہ پایا جاتا ہے اور اسی لئے اطباء اور ڈاکٹروں حتیٰ کہ ویدک ویدوں کی بھی یہ رائے ہے کہ حیوانات کے جس حصہ کا گوشت " انسان " زیادہ استعمال کرتا ہے جسم انسانی کے اسی حصہ کو جوہر حیات زیادہ پہنچتا ہے تو بے شبہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ " گوشت " انسان کی فطری غذا ہے

البتہ یہ ضروری ہے کہ جن چیزوں کا گوشت وہ استعمال کرے ان کے نوعی اور ذاتی خواص و کیفیات اور مضر اور مفید اثرات کی معرفت حاصل کرنے کے بعد عقل یا نقل سے یہ فیصلہ حاصل کرے کہ کس چرند و پرند کا گوشت استعمال کیا جائے اور کس سے پرہیز لازم ہے تاکہ ایک جانب اگر وہ اپنی فطری غذا سے فائدہ اٹھاسکے تو دوسری جانب حیوانات کی بہیمیت، خونخواری اور درندگی کے اوصاف سے

بھی بچ سکے۔ مذہب کی اصطلاح میں اسی اختیار اور ترک کا نام "حلال" اور "حرام و مکروہ" ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے استعمال میں "اعتدال" سے کام لیا جائے اور اس کے استعمال اور طریق استعمال میں وہ انہماک اور شغف نہ اختیار کیا جائے جو اس کی افادیت کو قوت بدن اور اخلاق دونوں کے لئے مضرت کی شکل میں بدل دے۔ سلہ

گوشت کے علاوہ سبزیاں اور ترکاریاں، پھل اور خشک میوے، دودھ، شہد، مشک اور عنبر، جیسی اشیاء ہیں جن کے غذاءِ انسانی ہونے کے متعلق اہلِ عقل و نقل کسی کے نزدیک بھی دو رائے نہیں ہیں اور یہ سب اشیاء بلا اختلاف انسانی خورد و نوش کے لئے کار آمد اور مفید ہیں۔ تو اب گوشت ہی ایک ایسی غذا رہ جاتی ہے جس سے متعلق یہ بحث کی جانی چاہئے کہ جبکہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو "عقل" عطا فرما کر تمام کائنات ہست و بود سے ممتاز اور برتر مخلوق بنایا اور اس کو راہِ مستقیم پر گامزن ہونے کے لئے پیغمبروں اور رسولوں کے ذریعہ "علم الیقین" (وحی الٰہی) سے اس کی عقل کو غلط راہ روی سے محفوظ کیا تو چرند و پرند میں وہ کون سے حیوانات ہیں جو مسطورہ بالا تین اصول کے مطابق استعمال کے قابل ہیں اور کون سے ناقابل استعمال ہیں یا مذہبی اصطلاح میں یوں کہہ دیجئے کہ کون سے جانور حلال ہیں اور کون سے حرام یا مکروہ ہیں۔

اسلام اس بارہ میں یہ کہتا ہے کہ جبکہ یہ بات مسلّم، ناقابلِ تردید اور تجربہ سے گذر کر مشاہدہ کی حد تک پہنچ چکی ہے کہ ماکولات و مشروبات (کھانے پینے کی چیزوں) کا اثر انسان کے جسمانی قویٰ اور اخلاقی ملکات و کیفیات پر پڑتا ہے تو اس کے نزدیک جن حیوانات یا اشیاء میں حسب ذیل خصوصیات پائی جاتی ہوں وہ ناقابلِ استعمال، (حرام و مکروہ) ہیں۔

(الف) جن حیوانات میں درندگی ہے ان کو استعمال نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ بہیمیت کے ساتھ جب حیوان کے اندر درندگی بھی جمع ہو جائے تو اس خونخواری کا اثر انسان کے قویٰ پر ضرور پڑے گا اور

سلہ اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے لئے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نور اللہ مرقدہ کا رسالہ "تحفہ لحمیہ" قابلِ مطالعہ ہے۔

اور جسم انسانی کے ساتھ ساتھ اس کے اخلاق و ملکات بھی متاثر ہوں گے۔ کرم، رحم، مروت اور ہمدردی جیسے صفات عالیہ پر اس کا برا اثر پڑیگا۔ اور اس سے انسان کی روحانیت کا مکدر اور مجروح ہو جانا اغلب بلکہ یقینی ہے اور جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ خونخواری اور درندگی ان ہی حیوانات میں ہوتی ہے جو چرند ہو کر کچلیاں (نوکیلے دانت) رکھتے ہیں اور پرند ہو کر نوکیلے پنجے رکھتے اور ان کے ذریعہ دوسرے جانوروں کا شکار کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ انسان اور دوسری قوموں کو ایذا دیتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی معرفت کے لئے یہ قانون بیان فرمادیا۔

حرام علیکم کل ذی ناب من السباع — تم پر وہ چرند درندے جو کچلیاں (نوکیلے دانت) رکھتے ہیں اور وہ پرند جو
وکل ذی مخلب من الطیر۔ مسلم — نوکیلے پنجے رکھتے اور اس سے شکار کرتے ہیں حرام کردیئے گئے ہیں۔

لہٰذا شیر، چیتا، بھیڑیا، کتا، لومڑی، بلی اور اسی قسم کے تمام درندہ جانور حرام ہیں۔ مسطورہ بالا حدیث کے علاوہ ان حیوانات کی حرمت و ممانعت کے متعلق بہت سے ناموں کی تعیین کے ساتھ بھی احادیث میں ممانعت موجود ہے مثلاً پالتو گدھا، بھیڑیا، کتا، بجو وغیرہ۔

(ب) اور جو حیوانات ایذا رساں ہیں یا ان کے اندر سمیت (زہر) ہے یا طبیعت سلیم ان سے گھن کرتی ہے وہ بھی ناقابلِ استعمال ہیں کیونکہ ایذا رسانی، درندگی ہی کے مرادف ہے اور یہ صفت بھی انسانی ملکات و اخلاقِ فاضلہ میں کدورت اور تاریکی پیدا کرتی ہے اور زہریلے جانوروں کا زہر نہ صرف اس پوٹلی ہی تک محدود ہوتا ہے جو ان کے جسم کے خاص حصہ میں ودیعت ہے بلکہ اس جانور کا پورا جسم اس زہریلے حصہ سے ایک حد تک متاثر رہتا اور زہریلے خواص کو جذب کرتا ہے اس لئے ان کا استعمال بھی ممنوع ہے اور اگر ان حیوانات میں ان دونوں میں سے کسی ایک بات یا دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ ایسی کیفیت و صورت بھی پائی جاتی ہو کہ سلیم الطبع انسان اس سے گھن کرتا ہو تو اس کی ممانعت کے لئے یہ بات کریلا اور نیم چڑھا کی مصداق ہے۔ ان حیوانات کی فہرست میں تمام حشرات الارض (زمین پر رینگنے والے جانور) مثلاً سانپ

بچھو، چوہا، گوہ، چھپکلی، گرگٹ، چچڑی اور کیڑے مکوڑے اور پرندوں میں کوا، چیل، باز، شاہین، مکھی، پسو، کھٹمل وغیرہ شامل ہیں۔ چنانچہ حشرات الارض کے لئے بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ ممانعت مذکور ہے۔

(ج) جو اشیاء عقل و نقل دونوں کے نزدیک ناپاک اور نجس ہیں وہ بھی قابلِ استعمال نہیں اس لئے کہ "ناپاکی" خود ایسی شے ہے جس کو نہ مذہب برداشت کرتا ہے اور نہ عقل اس کو پسند کرتی ہے مثلاً "خون" مذہب کہتا ہے کہ جس حصۂ جسم پر یا کسی دوسری شے پر یہ لگ جائے اس کو دھونا چاہئے اور عقل کہتی ہے کہ خون کا استعمال ناپاکی کا استعمال ہے اور خونخواری اور درندگی پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب یہی ہے اس لئے خون بھی حرام کر دیا گیا اور "مردار" بھی کیونکہ جو جانور اس طرح مر جائے کہ اس کا خون جسم سے خارج نہ کیا گیا ہو اور وہ جسم کے اندر ہی جذب ہو کر رہ جائے ناپاک ہے کیونکہ خون ناپاک ہے لہٰذا گلا گھونٹ کر مارا ہوا، مشین میں نکال کر مارا ہوا، بلندی سے گر کر، سینگ یا لاٹھی و پتھر جیسی اشیاء سے اور گولی سے مرا ہوا یا اور اسی قسم کے دوسرے ایسے طریقوں سے مرا ہوا جانور بھی حرام ہے جس کا خون جسم کے اندر ہی جذب ہو گیا ہو

(د) وہ جانور بھی نہیں کھائے جا سکتے جن کی اکثری یا کلی خوراک نجاست و غلاظت ہے اس لئے کہ اس نجاست کا اثر جبکہ اس کا جزو بدن بنتی ہے تو بلاشبہ اس کے اثرات کھانے والے پر بھی ظاہر ہو کر رہیں گے اس ممانعت میں نجاست و غلاظت کے اندر رہنے والے تمام حیوانات اور وہ حیوانات بھی شامل ہیں جو اپنی نوع کے لحاظ سے اگرچہ حلال ہیں لیکن اپنی عام خوراک چھوڑ کر غلاظت کو مستقل یا بیشتر غذا بنا لیں چنانچہ احادیث میں "جلّالہ" (پاخانہ کھانے والی گائے بکری وغیرہ) کو کھانے کی ممانعت اسی قانون پر مبنی ہے۔

(ہ) اور وہ جانور بھی حرام ہیں جن میں مسطورہ بالا خصائص میں سے اکثر خصوصیات مجتمع ہو کر پائی جاتی ہوں مثلاً خنزیر کہ اس کی نوع میں درندگی بھی پائی جاتی ہے اور خباثت بھی، نجاست و غلاظت اس کی غذا کا کل یا اکثر حصہ ہے اور اس لئے اس سے اکثر طبائع گھن کرتی ہیں اور اس کی نوع میں بے حیائی اور خباثت کا یہ نمایاں پہلو بھی موجود ہے کہ تمام جانوروں کی عادات کے خلاف وہ اپنی مادہ کو اپنی موجودگی میں

دوسرے نر سے جفتی ہوتا دیکھتا ہے اور کوئی تعرض نہیں کرتا۔ اور جبکہ اس کے اندر درندگی، خباثت، ایذا رسانی، اور نجاست سب اوصافِ بدجمع ہیں تو ان وجوہ کی بناپر اسلام نے خنزیر کو "نجس العین" قرار دیا ہے یعنی وہ ایسی ناپاک شے ہے جس کا صرف کھانا ہی ممنوع نہیں ہے بلکہ کھانے کے علاوہ اس کے کسی بھی حصۂ جسم کا استعمال درست نہیں ہے۔

(س) ان چیزوں کا استعمال بھی ممنوع ہے جو اگرچہ اپنی ذات میں حلال ہیں مگر ان کو خدا کے علاوہ بتوں یا اوتاروں اور پیروں کے نام پر نامزد کردیا گیا ہے ان کا استعمال اس لئے ممنوع ہے کہ اسلام کی نگاہ میں یہ طریقہ "شرک باللہ" میں داخل ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس کا کلیتہً سدباب کیا جائے تاکہ یہ شنیع رسم جڑنہ پکڑسکے لہذا یہ عمل بھی حرام قرار پایا اور وہ جانور یا شے بھی حرام کردی گئی۔ نیز جن حیوانات کے ساتھ یہ مشرکانہ عمل وابستہ ہوتا ہے ان میں اگرچہ مسطورہ بالا مفاسد نہیں پائے جاتے مگر شرک کی وہ نجاست جو روحانیت کے نور کو مکدر کردیتی ہے اس عمل کی وجہ سے اس جانور کے اندر بھی ایسے باریک اثرات پیدا کردیتی ہے جو انسان کی روحانیت کو مکدر بناتے اور قلب میں تاریکی پیدا کرتے ہیں مگر ان کی معرفت حواس خمسہ سے نہیں بلکہ روحانی ادراکات ووجدانیات کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔

قرآنِ عزیز نے ان ہی اصول کو حلال وحرام یا استعمال وترک استعمال حیوانات کے لئے بنیاد قرار دیا ہے وہ جن چیزوں کو حلال اور کھانے کیلئے قابلِ استعمال کہتا ہے ان کے لئے "طیبات" (عمدہ اور پاک صاف اشیاء) کی اصطلاح بیان کرتا ہے اور جن کو حرام اور قابلِ ترک قرار دیتا ہے ان کو خبائث (بری و گھنونی اشیاء) سے تعبیر کرتا ہے چنانچہ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ خدا کی اگلی کتابوں توراۃ وانجیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ پیشنگوئی موجود ہے کہ جب اس کی بعثت ہوگی تو اس کی تعلیم کائناتِ انسانی کے لئے رحمت ثابت ہوگی اور وہ ہر اچھی بات کی ترغیب دیگا اور ہر ایک بری بات سے منع کرے گا اور اور قوموں نے اپنے ذمہ جو تکلیف دہ اور سخت قسم کی پابندیاں عائد کرکے اپنے پیروں میں بوجھل بیڑیاں

ڈال لی ہیں وہ ان سب کو ختم کردے گا اور یہ کرے گا کہ

ویحل لھم الطیبات ویحرم   وہ ان کے لئے عمدہ اور پاک چیزوں کو حلال کرے گا اور

علیھم الخبائث (اعراف)   بری اور گھنونی چیزوں کو حرام ٹھیرائے گا۔

چنانچہ جس قسم کے جانور حلال کئے گئے ہیں وہ مسطورہ بالا مفاسد سے پاک وصاف ہیں اور اپنی ذاتی صفات کے لحاظ سے بحالت اعتدال نہ بدن انسانی کے لئے مضر ہیں اور نہ اس کے قوائے اخلاقی وملکات روحانی کے لئے نقصان رساں بلکہ قوائے جسمانی کے لئے موجب صحت۔ صحت اور مزاج میں اعتدال کا سبب بن کر اس کی روحانیت واخلاقی ملکات میں ترقی کا سبب بن سکتے ہیں بشرطیکہ انسان ان کے ذریعہ یہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہو۔

مثلاً چرندوں میں گائے، بیل، بھینس، بکری، ہرن، چیتل، نیل گائے وغیرہ اور پرندوں میں مرغ کبوتر، لوا، بٹیر، تیتر وغیرہ اور دریائی جانوروں میں مچھلی۔ یہ جانور اپنی سرشت میں نہ موذی ہیں اور نہ نجاست خور نہ ان کے اندر درندگی ہے اور نہ خباثت۔

(باقی آئندہ)

نعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہندوستان کے مشہور و مقبول شاعر جناب بہزاد لکھنوی کے نعتیہ کلام کا دلپذیر و دلکش مجموعہ جسے مکتبہ برہان نے تمام ظاہری دل آویزیوں کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ جن حضرات کو آل انڈیا ریڈیو سے ان نعتوں کے سننے کا موقع ملا ہے وہ اس مجموعہ کی پاکیزگی اور لطافت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔ بہترین نرم سنہری جلد قیمت ۹ر

پتہ۔ مکتبہ برہان دہلی قرولباغ